نکاحِ فاسد اور نکاحِ باطل پر ایک اصولی بحث

(ملک غلام علی صاحب)

[نکاح فاسد اور نکاح باطل کے مسئلے پر یہ مختصر اور اصولی بحث ایک فاضل قانون دان کے استفسار کے جواب میں سپردِ قلم کی گئی تھی۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بعض فقہاء نے نکاح باطل اور نکاح فاسد کی جو تفریق قائم کی ہے یہ کس اصول پر مبنی ہے، دونوں کی جامع و مانع تعریف کیا ہے اور ان کے قانونی نتائج و عواقب کیا مترتب ہوتے ہیں۔ امر واقعی یہ ہے کہ جن فقہائے کرام کے ہاں نکاح فاسد اور نکاحِ باطل کا امتیاز پایا جاتا ہے۔ انہوں نے دونوں کی کوئی جامع تعریف بیان نہیں فرمائی ہے۔ ان اصطلاحات کے استعمال اور ان کی بیان کردہ امثال میں بھی بڑا تفاوت اور وسعت موجود ہے۔ ایک ہی قسم کے نکاح کو کہیں باطل اور کہیں فاسد قرار دیا گیا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ کتاب و سنت اور فقہاء کے اقوال و اجتہادات کو بحیثیتِ مجموعی سامنے رکھتے ہوئے نکاح باطل اور نکاح فاسد کی قانونی تعریف الگ الگ متعین کی جائے اور پھر اس کی روشنی میں اقسامِ نکاح کو باطل یا فاسد قرار دیا جائے۔ اس بحث کی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس مسئلے میں تردد اور عدمِ تعین کی کیفیت رفع ہو اور اہلِ علم ان تجویز کردہ تعریفات اور ان کے انطباق پر غور فرما کر رائے قائم کریں کہ وہ کس حد تک صحیح اور قابلِ قبول ہیں۔ یہ بات ظاہر و واضح ہے کہ علماء کے اجماع یا کثرت رائے ہی سے یہ امر متحقق ہو سکتا ہے کہ مفتی بہ قول کیا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن ہے یا نہیں۔]

غلام علی

اصولی طور پر نکاح کی صحت کے معاملے میں فقہاء و مجتہدین کا موقف ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس نکاح کو صحیح اور جائز قرار دیتے ہیں جس کے انعقاد میں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ اور جس نکاح کے

شرائط و ارکان میں سے کوئی شرط یا رکن مفقود ہو وہ فقہاء کے نزدیک غیر صحیح ہوگا۔ ناجائز اور غیر صحیح نکاح کی متعدد صورتیں ممکن ہیں اور فقہاء، بالخصوص فقہائے حنفیہ نے ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ان کی مختلف صورتوں کے لیے "باطل" اور "فاسد" کی دو مختلف اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ باطل اور فاسد کی یہ تفریق شرعاً غیر ضروری اور بے اصل نہیں کہی جا سکتی۔ بہت سے معاملات اس طرح رونما اور انجام پذیر ہو سکتے ہیں کہ انہیں نہ بدیہی طور پر باطل کہا جا سکتا ہے اور نہ ہر لحاظ سے صحیح اور معیار مطلوب کے مطابق کہا جا سکتا ہے۔ انہیں بین بین رکھ کر باطل کے بجائے فاسد یا ناقص ہی کہا جائے گا۔

مگر مشکل یہ درپیش ہے کہ نکاح باطل اور نکاح فاسد کی کوئی جامع ومانع اور متفق علیہ تعریف خود فقہائے احناف کے ہاں بھی نہیں پائی جاتی۔ ان کی بحثوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک عام تأثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ باطل نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس کا عدم و وجود برابر ہو، جو قطعی طور پر کالعدم و غیر منعقد ہو اور ایسا صریح البطلان ہو کہ اسے باطل قرار دینے کے لیے ازالۂ نکاح کے کسی اعلان یا تفریق کی بھی ضرورت نہ ہو۔ اور فاسد نکاح وہ ہے جس کا جواز و عدم جواز یا انعقاد و عدم انعقاد مشتبہ ہو، یا جس کی شرائط صحت میں کوئی ایسا نقص یا فتور پایا جاتا ہو کہ اس کی بنا پر وہ معدوم محض تو نہ ہو مگر شرعاً لائق فسخ ہو۔ لیکن مباحث کی پوری تفصیل دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے متعدد پہلوؤں میں اختلاف موجود ہے۔ بعض کے نزدیک جس طرح عبادات کے معاملے میں فساد اور بطلان کے ایک ہی معنی اور یکساں اثرات ہیں، اسی طرح نکاح فاسد اور نکاح باطل میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ بعض کے قول کے مطابق جس نکاح کے عدم جواز پر علماء امت کا اتفاق ہو وہ باطل ہے اور جس کے عدم جواز میں اختلاف منقول ہو وہ فاسد ہے۔ لیکن فقہائے حنفیہ کے ہاں نکاح کی بعض ایسی صورتیں بھی باطل کے بجائے فاسد قرار دی گئی ہیں جن کی حرمت اور عدم جواز پر پوری امت کا اجماع ہے اور اکثر حالتوں میں یہ اجماع امت محض قیاس و اجتہاد پر مبنی نہیں بلکہ کتاب و سنت کی صریح اور قطعی نصوص پر مبنی ہے۔

اس مسئلے میں مزید پیچیدگی اس وجہ سے بھی پیدا ہو گئی ہے کہ فقہاء بالعموم تو باطل اور فاسد کے

الفاظ کو خالص محدود قانونی اصطلاح کے طور پر ایک دوسرے کے بالمقابل استعمال کرتے ہیں اور ان کے مابین امتیاز بھی قائم کرتے ہیں، لیکن بعض اوقات وہ انہیں وسیع غیر اصطلاحی معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں اور وہاں کوئی قانونی امتیاز مقصود نہیں ہوتا۔ جہاں تک "نکاحِ باطل" کے الفاظ کا تعلق ہے، یہ الفاظ حدیث میں بھی وارد ہوئے ہیں، مگر وہاں بھی یہ ان خاص اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں کیے گئے ہیں جن میں یہ بعد میں رائج ہوئے ہیں۔ احادیث میں ارشادِ نبوی ہے: ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل (جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے)۔ اگرچہ اس حدیث کا مطلب بعض حضرات نے یہ لیا ہے کہ ایسا نکاح سرے سے کالعدم اور باطلِ محض ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں باطل کا لفظ مخصوص فقہی اصطلاح کے طور پر نہیں آیا ہے، بلکہ کتاب و سنت کی مجموعی تعلیمات کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کا منشا یہ ہے کہ ایسا نکاح ولی کی رضامندی پر موقوف ہوگا اور اس کی عدم رضا اور معقول شرعی اعتراض کی صورت میں قابلِ تنسیخ ہوگا۔

اس اختلاف اور پیچیدگی کو رفع کرنے کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ نکاحِ باطل و نکاح فاسد کی تعریف مختلف اشکالِ نکاح پر اس کی تطبیق اور اس کے قانونی اثرات کی تعیین میں مجرد چند فقہی اقوال پر کلیتہً انحصار نہ کیا جائے، بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات اور فقہاء کے اجتہادات کی روشنی میں اس پورے مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر از سرِ نو غور کر کے کوئی رائے قائم کی جائے۔

اس ضمن میں اولین حل طلب مسئلہ جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ نکاح فاسد اور نکاحِ باطل کی تعریف کا ہے۔ پہلے ہم نکاحِ باطل کو لیتے ہیں۔

نکاحِ باطل کی تعریف کتاب و سنت میں نکاح سے متعلق جو احکام و ہدایات وارد ہیں اور فقہائے اسلام نے اس سلسلے کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں، ان سب پر غور و فکر کے بعد نکاحِ باطل کی جو تعریف اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ "نکاح باطل وہ نکاح ہے جس کی حرمت یا ممانعت یا جس کا عدمِ جواز کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے قطعی دلالت کے ساتھ ثابت ہو اور اس ثبوت پر فقہائے امت کا اجماع ہو، یا جس نکاح میں فریقین یا کسی ایک فریق کی جانب سے ایجاب و قبول اور اذن و رضا

مفقود ہو۔"

نکاح باطل کی مثالیں ایجاب وقبول کا فقدان تو زیادہ وضاحت طلب نہیں ہے لیکن حرمت، ممانعت اور عدم جواز کی صورتوں کو واضح کرنے کے لیے چند مثالوں کا ذکر اور مختصر تشریح ضروری ہے جو درج ذیل ہے :

(۱) اہلِ کتاب عورت کے ماسوا دیگر کافرہ مشرک عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح ممنوع ہے، جیساکہ سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۱ اور سورۂ مائدہ، آیت ۵ کو ملا کر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔ اور مسلم عورت کا نکاح بقرہ آیت ۲۲۱ اور الممتحنہ، آیت ۱۰ اور المائدۃ آیت ۵ کی رُو سے ہر غیر مسلم سے ممنوع ہے خواہ وہ مشرک ہو یا اہلِ کتاب۔ ان دونوں ممنوع صورتوں میں سے کسی صورت پر بھی جو نکاح ہوں گے وہ باطل ہوں گے۔

(۲) باپ کی منکوحہ، ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، بیوی کی ماں، مدخولہ بیوی کی بیٹی، صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح، اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا ممنوع و حرام ہے جیساکہ سورۂ نساء، آیت ۲۲-۲۳ میں مذکور ہے۔ اس لیے یہ سارے نکاح بھی باطل ہوں گے۔ نسب، رضاعت اور حرمتِ جمع کی بنا پر جو ممنوع رشتے یہاں بیان ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کے اصول و فروع اور ان سے علّتِ حرمت میں مماثلت رکھنے والے بعض دوسرے رشتے بھی ایسے ہیں جن سے نکاح کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے اور جن کی حُرمت پر اجماعِ امت ہے۔ ایسے رشتوں کی موجودگی کا علم ہونے کے باوجود اگر ان سے نکاح ہو گا تو وہ بھی باطل ہو گا۔

(۳) اگر دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں یکے بعد دیگرے جمع ہوں تو دوسری سے نکاح باطل ہو گا اور اگر دونوں کے ساتھ یکجا نکاح ہو گا تو دونوں نکاح باطل ہوں گے۔

(۴) منکوحۂ غیر یعنی جو عورت ایک شخص کے نکاح میں ہو، اس سے دوسرے شخص کا نکاح سورۂ نساء (آیت ۲۴) کی رُو سے حرام ہے، اس لیے باطل ہے۔ الّا یہ کہ ناکح کو اس کے پہلے نکاح کا علم نہ ہو۔

(۵) معتدۂ غیر یعنی جو عورت ایک شخص کے نکاح کی عدّت گزار رہی ہو، اس سے بھی دوسرے

مرد کا نکاح حرام ہے، اس لیے باطل ہے، بشرطیکہ مرد کو عدّت کا علم ہو۔ اس حرمت کی علت وہی ہے جو منکوحۂ غیر میں پائی جاتی ہے، کیونکہ عدّت کے دوران میں سابق نکاح کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ قرآن مجید نے عدّت میں نکاح کی حرمت و ممانعت ان الفاظ میں اور بھی زیادہ مؤکد کر دی ہے: وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ (عقد نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو جب تک عدت اپنی انتہا تک نہ پہنچ جائے۔)

(۶) چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح بھی قرآن و حدیث کی رُو سے ممنوع ہے، اس لیے باطل ہے۔ یہ ممانعت سورۂ نساء آیت ۳ سے ثابت ہے، جہاں زیادہ سے زیادہ چار شادیوں تک کی اجازت دی گئی ہے۔ اس بات پر اجماعِ امت ہے کہ اس آیت میں چار کی تعداد کا ذکر تحدید اور احترازی قید کے طور پر کیا گیا ہے اور اس سے زائد نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ماسوا دوسرے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ (سورۂ احزاب، آیت ۵۰ میں عام مسلمانوں کے لیے اس پابندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضور کو اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے)۔ ظاہریہ کی جانب یہ بات بعض اصحاب نے غلط منسوب کر دی ہے کہ وہ چار سے زائد نکاح جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ امام ابن حزم ظاہری نے المحلّٰی، کتاب النکاح میں صاف فرمایا ہے: لا یحل لاحد ان یتزوج اکثر من اربع نسوۃ (کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ چار عورتوں سے زائد نکاح کرے۔)

احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد جن مسلمانوں کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں حکم دیا کہ وہ زائد عورتوں کو قیدِ نکاح سے خارج کر دیں۔ مُسند احمد اور دیگر کتبِ حدیث میں یہ روایت موجود ہے کہ: ان غیلان بن سلمۃ الثقفی اسلم وتحتہ عشر نسوۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اختر منھن اربعًا (غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لو)۔ اسی طرح ایک دوسرے صحابی نوفل بن معاویہ کے نکاح میں پانچ عورتیں موجود تھیں تو آنحضورؐ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دو۔

بعض حضرات صرف اس صورت میں نکاح کو باطل قرار دیتے ہیں جب کہ وہ ابدی محارم و محرمات کے مابین ہو، یعنی ایسے رشتہ داروں سے ہو جو ہر حالت میں اور ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ باقی رہے وہ رشتے جن میں حرمت عارضی ہے، ان میں نکاح ان حضرات کے نزدیک صرف فاسد ہو گا۔ مثلاً ایک بہن کی وفات یا اسے طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد دوسری بہن حرام نہیں رہتی۔ اسی طرح چار بیویوں میں سے ایک کے فوت ہونے یا نکاح سے خارج ہو جانے کے بعد پانچویں عورت سے نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں حرمت چونکہ عارضی ہے، اس لیے اگر اس حرمت کے موجود ہوتے ہوئے کوئی نکاح کیا جائے تو ان کے نزدیک وہ باطل نہیں بلکہ صرف فاسد ہو گا۔ لیکن یہ استدلال زیادہ وزنی اور محکم نہیں معلوم ہوتا۔ شارع کی عائد کردہ حرمت و ممانعت، خواہ وہ عارضی ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ نافذ اور طاری ہے اور حلت یا اباحت میں تبدیل نہیں ہوئی ہے، اس وقت تک وہ اپنی شدت و تاثیر کے اعتبار سے ابدی حرمت کے مقابلے میں کمتر نہیں ہے۔ اس لیے محرمات سے نکاح، دو بہنوں سے نکاح منکوحہ یا معتدۂ غیر سے نکاح اور چار کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح باطل اور کالعدم ہونے کے لحاظ سے ایک ہی درجے میں شمار ہونے چاہییں۔ ناکح کی لاعلمی جو بعض صورتوں میں ممکن ہے وہ پانچ عورتوں سے نکاح کے معاملے میں بالکل ناقابلِ تصور ہے کیونکہ کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ چار بیویوں کی موجودگی میں یہ میرا پانچواں نکاح ہے۔

جمہور فقہاء بشمول حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ جان بوجھ کر معتدۂ غیر سے نکاح باطل ہے۔ احناف کے نامور فقیہ ابن ہُمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایسے نکاح کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔ ظاہر ہے کہ عدت بھی ایک عارضی مانع ہے جو لازماً کچھ عرصے کے بعد رفع ہو جائے گا اور بعض صورتوں میں عدت کے اندر بھی سابق خاوند کے لیے رجوع یا دوبارہ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا اور ایک لحاظ سے عورت خارج از نکاح ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود اگر معتدہ سے نکاح باطل ہے تو منکوحۂ غیر یا دو بہنوں یا پانچویں عورت سے دیدہ دانستہ نکاح باطل ہونے کے بجائے اس بنا پر کیوں محض فاسد ہو کہ ان کی حرمت عارضی ہے؟

بعض اصحاب نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ شرعی مانع کے باوجود جب نکاح کا انعقاد عمل میں آجاتا ہے تو شبہ عقد (SEMBLANCE OF MARRIAGE) پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے نکاح فاسد ہی ہوگا، باطل نہ ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص اگر جانتے بوجھتے محرّمات سے نکاح کرلے تو کیا ذوقِ سلیم اور عقلِ عام یہ باور کرنے کے لیے تیار ہو سکتی ہے کہ یہ معاملہ عقد کے مشابہ ہے اور اس پر عقد کا شبہ یا گمان ممکن ہے؟ پھر یہ معاملہ محض عقل و ذوق پر موقوف نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا ایک واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک بدبخت نے اپنے والد کی منکوحہ سے نکاح کر لیا تھا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ حدیث میں ہے: عن البراء بن عازب قال لقیت خالی ومعه الرایة فقلت این ترید قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل تزوج امرأة ابیه من بعدہ ان اضرب عنقه و آخذ ماله (حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ مجھے راستہ میں میرے ماموں ملے جن کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا۔ میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ ایک شخص نے اپنے باپ کے بعد اس کی بیوی سے شادی کر لی ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا مال ضبط کر لوں)۔ اس حدیث میں تزوج کے الفاظ صاف آئے ہیں، جن سے واضح ہے کہ اس شخص نے شادی کا ڈھونگ ضرور رچایا تھا، گویا شبہ عقد پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھونگ کا لحاظ کیے بغیر اسے مباح الدم والمال قرار دے دیا۔

نکاحِ فاسد کی تعریف | نکاحِ باطل کی مندرجہ بالا تعریف اور مثالوں سے اس طرح کے نکاح کی حقیقت و ماہیت بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد نکاحِ فاسد کی تعریف کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ نکاحِ فاسد کا مجمل بیان اوپر کی بحث میں آچکا ہے۔ جہاں تک اس کی جامع تعریف کا تعلق ہے وہ ان الفاظ میں بیان ہو سکتی ہے کہ "نکاحِ فاسد ایسا نکاح ہے جس میں عقدِ نکاح کی شرائطِ صحت میں سے کوئی شرط ناقص یا غائب ہو، یا جس کی حرمت، ممانعت یا عدمِ جواز قرآن و حدیث سے قطعی دلالت کے ساتھ ثابت نہ ہو، یا جس کا جواز و عدمِ جواز یا انعقاد و عدمِ انعقاد مشتبہ یا فقہاء و مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہو، یا جس میں کوئی ایسا مانعِ شرعی حائل ہو جو نکاح کو باطل قرار دینے کے لیے کافی ہو لیکن فریقین یا کسی

ایک فریق کو اس مانع کے وجود کا علم نہ ہو اور بے خبری میں نکاح ہو جائے۔

نکاحِ فاسد کی مثالیں | اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ایجاب و قبول پر دو مسلمان بالغ مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت صحتِ نکاح کے لیے شرط لازم ہے۔ اگر یہ شہادت غیر موجود یا نامکمل ہو تو نکاح فاسد ہو گا۔

(۲) جن وجوہ سے ایک نکاح باطل ہوتا ہے اگر ان میں سے کوئی وجہ کسی نکاح میں فی الواقع تو موجود ہو مگر نکاح کے وقت فریقین میں سے کسی ایک کو یا مرد و عورت دونوں کو اس کی موجودگی کا علم نہ ہو، اور وہ نیک نیتی سے نکاح کر بیٹھے یا کر بیٹھیں تو لاعلمی ثابت ہونے کی صورت میں نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہو گا۔ مثلاً اگر انہیں باہمی حرام رشتے کا علم نہ ہو، یا ناکح کو یہ معلوم نہ ہو کہ عورت دوسرے مرد کے نکاح یا عدت میں ہے، تو نکاح فاسد ہو گا۔

(۳) اگر نکاحِ اوّل یا عدت کے وجود و عدمِ وجود میں فقہاء کا اختلاف ہو تو اس حالت میں نکاحِ ثانی یا تو جائز ہو گا یا ناجائز ہونے کی صورت میں صرف فاسد ہو گا، باطل نہ ہو گا۔

(۴) چار کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح میں بھی عورت کی جانب سے بعض حالات میں بے خبری کا عذر قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ اگر تحقیق کے بعد اس امر کا ثبوت فراہم ہو جائے کہ عورت کو معلوم نہ تھا کہ ناکح کی پہلے سے چار بیویاں موجود ہیں، تو اس صورت میں بھی نکاح فاسد ہو گا۔

(۵) فقہائے اہلِ سنت نے نکاحِ موقت کو بھی نکاحِ فاسد شمار کیا ہے اور سنی زوجین کے درمیان ایسا نکاح فاسد ہو گا۔

قانونی نتائج | نکاح باطل و نکاح فاسد کی تعریف و امثال کے بعد اب ان دونوں کے قانونی نتائج و عواقب کا بیان باقی رہ جاتا ہے، جسے اختصار کے ساتھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

یہ بات تو شروع میں واضح کی جا چکی ہے کہ نکاحِ باطل اور نکاحِ فاسد دونوں شرعاً غیر صحیح، ناجائز اور مذموم ہیں اور ان میں فوری مفارقت واجب ہے۔ مگر دونوں کے قانونی نتائج میں فرق ہے اور ہونا چاہیے۔ نکاحِ باطل کو ختم کرنے کے لیے کسی کارروائی کی حاجت نہیں۔ یہ آپ سے آپ کالعدم، غیر موجود

اور بے اثر (NULL & VOID) ہے۔ زوجین میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر دوسرے سے جدا ہو جائے ورنہ ریاست کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ جُدائی کرا دے۔ ایسے نکاح کے بعد مجامعت پر حدِ زنا تو قائم نہیں کی جائے گی مگر تعزیر دی جائے گی جو بعض صورتوں میں سلبِ اموال اور قتل تک ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی مہر واجب نہیں ہو گا۔ عدّت بھی لازم نہیں آئے گی۔ کیونکہ عدّت اس خلوتِ صحیحہ پر واجب ہوتی ہے جو جائز نکاح کے بعد ہو۔ نکاحِ باطل کا دخول زنا کا درجہ رکھتا ہے اور زنا کی کوئی عدّت نہیں ہوتی۔ البتہ عورت کو استبراء رحم تک انتظار کر لینا چاہیئے۔ نکاح باطل میں میراث نہیں ہے اور اگر اس کے نتیجے میں اولاد ہو تو اس کا نسب مرد سے ثابت نہیں ہو گا۔ ثبوتِ نسب کے لیے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے کہ بچے کا کسی خاص شخص کے نطفے سے ہونا متحقق ہو، بلکہ جائز تعلق نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونا ہی اس کا نسب اسلام میں ثابت کر سکتا ہے۔ ورنہ داشتہ کی اولاد کا نسب بھی ثابت ماننا لازم آئے گا۔

جہاں تک نکاح فاسد کا تعلق ہے یہ بالکل کالعدم تو نہیں ہے مگر شرعاً ناقص اور غیر صحیح (INVALID & IRREGULAR) ہے اور لائقِ تفریق ہے۔ اس میں بھی زوجین پر لازم ہے کہ جونہی انہیں فسادِ نکاح کا علم ہو، وہ بلا تاخیر جدا ہو جائیں اور فسخ نکاح کا اعلان کر دیں۔ زوجین میں سے ہر ایک کو یہ اختیار حاصل ہے اور ہر ایک پر لازم ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ نکاح فاسد ہے تو وہ کہہ دے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یا میں نے تجھے طلاق دیدی۔ یہ اعلان فسخ و متارکہ ایک دوسرے کے سامنے بھی ہو سکتا ہے اور غیر حاضری میں بھی۔ جو بھی پہلے اعلان کر دے اسی سے نکاح زائل ہو جائیگا۔ اگر فریقین لیت و لعل کریں تو قاضی شرع پر لازم ہے کہ وہ تفریق کرائے۔ نکاح فاسد میں مجامعت ممنوع ہے۔ اگر دخول ہو گا تو سخت موجب گناہ ہو گا۔

نکاحِ فاسد میں جب تک دخول یا انسراحت خاصہ نہ ہو اس وقت تک شرعاً اس کے کوئی نتائج و اثرات مترتب نہیں ہوتے۔ لیکن انسراحتِ خاص تک نوبت پہنچ جائے اور تفریق اس کے بعد ہو تو اس نکاح پر درج ذیل نتائج مترتب ہونگے:
(۱) اس نکاح پر عدّتِ طلاق واجب ہو گی اور اس وقت سے شروع ہو گی جب زوجین میں سے کسی ایک نے یا قاضی نے سب سے پہلے اعلان فسخ و تفریق کیا تھا (۲) مہر مثل یا مہر مسمّٰی میں سے جو بھی کم تر ہو گا، واجب الادا ہو گا۔ (۳) اگر اولاد ہو گی تو اس کا نسب ثابت ہو گا، وہ باپ کی جائز اولاد شمار ہو گی اور میراث میں حقدار ہو گی۔